Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

خواتین ناول نگاروں کے ناولوں میں ازدواجی زندگی کی عکاسی

THE DEPICTION OF MARITAL LIFE IN THE NOVELS OF WOMEN'S NOVELISTS

یمنیٰ رعنا
پی ایچ ڈی اسکالر، الحمد اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد
ڈاکٹر محمد امتیاز
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو الحمد اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد

Yumna Raina
Ph.D. Scholar, Alhamd Islamic University Islamabad
Dr. Muhammad Imtiaz
Assistant professor, Department of Urdu, Alhamd University Islamabad

Abstract:

This study explores the reflection of married life in the novels of Urdu women novelists, examining the portrayal of marital relationships, challenges faced by couples, and the evolving dynamics of marriage as depicted in the literary works. Urdu literature, enriched by the contributions of women writers, provides a unique lens through which one can analyze societal norms, gender roles, and the intricacies of marital life.The research focuses on selected novels written by prominent Urdu women novelists, spanning different periods and styles. By employing qualitative analysis methods, the study delves into the narratives to identify common themes and patterns related to married life. The analysis considers the historical and cultural context within which these novels were written, shedding light on how societal changes and women's evolving roles have influenced the depiction of marriages in literature.

Key Words: Domesticity, Gender Roles, Marriage, Marital Struggles, Women's Perspectives, Marital Challenges

روئے زمین پر رب کائنات نے بہت ساری مخلوقات کو تخلیق کئے ہیں۔ فضاؤں میں دریاؤں میں حتی کہ زیر زمین اور زیر اب بھی بہت سارے جاندار سانس لیتے ہیں۔ لیکن ان ساری چیزوں میں تمام مخلوقات میں سب سے شرف وفضیلت والی مخلوق اشرف المخلوقات حضرت انسان ہے زمین پر ملکیت اور خلافت اس کو عنایت کی ہے۔ سارے چیزوں کو ان کے لیے مسخر کر لیا ہے۔ سب سے زیادہ ترقی یافتہ، تہذیب یافتہ اور متمدن زندگی سے اس کو روشناس کرایا ہے۔ اس کو عقل وشعور دے کر بڑے بڑے قوت والی چیزوں کو اس نے اس کے ذریعے رام کر لیا ہے۔ اور جب اس کا یہ عقل عروج کو پہنچ جاتی ہے تو عشق کے روپ دار لیتے ہیں اور پھر فریاد سے سنگ گراں کھودواتے ہے تو کبھی ابراہیم خلیل اللہ آتش نمرود میں بے خطر کود پڑتے

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

ہیں اور کبھی یہی عشق موسی کلیم اللہ کو خدا سے ہمکلام کرتے ہیں۔ دنیا میں جتنی کچھ موجود ہے وہ انسانوں ہی کی بھلائی کے لیے ہے۔ برگزیدہ ہستیاں بھی انسانوں میں سے انسانوں کو راہ ہدایت اور مذہب بنانے کے لیے آئے ہیں۔اس طرح اسمانی کتابیں بھی اس کے لیے نازل فرمائے گئے ہیں۔ خود انسانوں نے انسانوں کو ترقی یافتہ بنانے کے لیے خوشحال بنانے کے لیے بہت زیادہ تگ دو سے کام لیا ہے۔ خود جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا گیا تو انسانی فطرت میں یہ بات رچ بس گئی ہے کہ اس کے ساتھ نفسانی خواہشات جڑے ہوئے ہیں جس کے لیے اس کو شکم اور دوسری ہواؤ ہوس اور سب سے بڑی چیز محبت وہ دیعت کی گئی ہے۔ تو آدم علیہ السلام سارے اسائشات کے ساتھ پھر بھی ایک ساتھی کے تلاش میں ہوتے ہیں رب ذوالجلال اس کی پسلی سے اماں حوا کو پیدا کرتی ہے جو آدم کے دیرینہ ساتھی بن جاتی ہے۔اس طرح دنیاوی سلسلہ چل پڑتی ہے۔احساسات اور جذبات کی اشتراک شروع ہو جاتی ہے اور ہر چیز جو کہ ارشاد ہے؛ جوڑوں کی شکل میں پیدا کی گئی ہے تو یہی انسان بھی جوڑے ہی کی شکل میں نموپذیر ہو کر زندگی کو پہیہ لگاتی ہے۔

دنیا میں بلند مذاہب عظیم شاعری اور سب سے بڑھ کر دین اسلام اور قران مجید انسان کی معاشرتی معاشی سماجی اور اقتصادی زندگی گزارنے کے لیے معرض وجود میں آئی ہیں۔اور قران مجید خزینہ ءاسرار تو رب ذوالجلال نے گویا ان ساروں کے لیے بطور رہنما اور نعمت عطا کی ہے۔جب سے دنیا نے تدریجی ارتقا شروع کی ہے انسان بتدریج ترقی کی منزل طے کر رہے ہیں۔ لیکن یہ ایک اظہر من شمس ہے کہ جس بھی دور کو ہم اٹھا لیتے ہیں اسی میں حسن و عشق، پیار و محبت اور غرض مراد عورت کا تعلق کسی نہ کسی شکل میں ہمیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔انسان جوان کی ایک مذہب اور ترقیات کا ذہن اور عقل و شعور کا مالک ہے تو انھوں نے ایک معاشرتی تعلق سوشل social commitment کو ترجیح دی جو کہ بعد میں ازدواجی زندگی کے نام سے منسوب ہوئے جس میں ایک سکون, ایک مسرت، محبت اور سب سے بڑھ کر دیرینہ ساتھی اور ایک ہی سواری کے دو پہیوں کی شکل اختیار کر لیتی ہے جو کہ ہر غم درد، مصیبت، دکھ سکھ میں ایک دوسرے کا سہارا بن جاتے ہیں۔ جب حسن آنکھ میں سما جاتی ہے تو دن میں ایک بے نام سی ہلچل پیدا ہو جاتی ہے پھر وہی راستہ، وہی جگہ حتیٰ کہ اس حصے کا اسمان بھی دیکھنے والی آنکھ کے لیے دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز اور محبوب ہو جاتی ہے۔ شاید اس بے نام اور بدنام ہلچل کا نام محبت ہی ہو گی جس کے لیے بعد میں لوگ کچھ خوبصورت، دلکش اور سلیقے والے الفاظ ڈھونڈ نکالے اور اس سے محبت کا اقرار ہونا شروع ہو گی۔ جب یہی الفاظ نے لے اور آہنگ اور کچھ سریلے بول میں ڈھل گئے تو شاعری ایجاد ہو گئی لیکن چونکہ اس میں ایک سماجی روایت کا لحاظ رکھنا تھا اسی لیے یہی شاعری نے مثنوی کا روپ دھار لیا۔ اور یوں قصہ دیؤوں، پریوں اور مافوق الفطرت عناصر کے گرد منڈلانے لگی۔ اسی طرح عرب میں کسی زمانے میں قوم، قبیلہ اور نسل باعث فخر و امتیاز کا سبب ہوا کرتا تھا تو شعراء حضرات اپنی فخریہ چیزوں کو شاعری کا ذریعہ بناتے تھے۔

بہر حال ادب ترقی کی منزل پر انسان کے ہمراہ قدم قدم پر جا رہے تھے تو جیسے ادب انسانی سماج کی ترجمانی ہوتی ہے اسی طرح ادب میں انسان کے ساتھ لکھار پیدا ہو گیا، انسان تواژل سے قصہ گو واقع ہوا ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ اپنے احساسات اور جذبات دوسروں سے شریک کرے اور ہر اچھا برا وقت کسی کے ساتھ گزار کر دوسروں کو سنا سکے تاکہ لوگوں کی ہمدردی مظلوم کے ساتھ زیادہ ہو جائے اور ظالم کے لیے اس کے دل میں غصے کے جذبات بھڑک اٹھے۔ تو قصہ کو تھکے ماندے مسافروں کو رات بھر یہ دل سوز اور حسین رنگین پھر سے سنایا کرتے تھے اور لوگ اس سے محظوظ ہوتے تھے۔ یونانی دور کے بعد جب اس دور میں ادب نے ترقی دیا تھا صورت ڈرامے اور ناٹک کی شکل اختیار کر لی تھی تو افلاطون ارسطو اور شعرا وغیرہ نے اس میں کارہائے

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

نمایاں انجام دئے۔افلاطون نے تو مثالی جمہوریہ(ideal state)میں شاعر تک کو اس سے نکال دیے کہ ان کی ان کے بقول وہ نقل کی نقل اتارتے ہے اور اسی طرح کرنے سے نوجوان نسل کی اخلاقیات میں بگاڑ اور دراڑ پیدا ہوتی ہے۔

اس شعراء کی وجہ سے افلاطون کے استاد اور مفکر عظیم شعرا کا خون ناحق ہوا تھا۔ لیکن افلاطون کے بعد اس کے شاگرد اور رستوں نے بلاواسطہ اس کے اعتراضات کا بہت موثر طریقے سے جوابات دیے۔ مہدی افادی کے مضمون کی روشنی میں سقراط کی ازدواجی زندگی بہت پر پیچ تھی۔اس کی بیوی بہت شریر تھی لیکن سقراط کو اس شرارت کا یہ فائدہ ضرور ہوا تھا کہ اس میں انتہا درجے کی صبر و تحمل پیدا ہو گئی تھی۔ یہ تو ایک جملہ ہے معترضہ کے طور پر پیش کیا گیا۔اصل بات یہ ہے کہ ارسطو نے اس زمانے میں ڈرامے کے لیے چند اصول اور قوانین بھی وضع کیے تھے جن کو اس نے یکجا کر کے بوطیقا"poetics" کے نام سے دنیا ادب میں تنقید کی عمارت میں سنگ میل کی حیثیت سے منظر عام پر لائے۔ جس میں انہوں نے اس کے اقسام اس کی اجزائے ترکیبی فنی لوازمات اور اس کے لیے سٹیج وغیرہ کو پیش کر دیے۔ وہاں پر بھی جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈرامہ اور ادب حسن و عشق اور جنس و محبت کے گرد طواف کرتے ہیں۔ادب نام ہی حسن و ادب اور خوبصورتی کا ہے ادب کا آغاز جوان کے عام طور سے شاعری سے ہوتی ہے اس وجہ سے پوری شاعری جو کلاسکی عہد سے تعلق رکھتی ہے ایک جیتی جاگتی اور سانس لیتی ہوئی عورت کے گرد گھومتی ہے۔اس طرح تقریباہر شاعر کے لیے حساس اور دھڑکتی ہوئی دل کے لیے حسن کشش رکھتی ہے۔ تو اس وجہ سے حسن زن کو کائنات کا رنگ قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ ایک زمانے میں اس کو زندہ در گور کیے جاتے تھے۔ معاشرتی اور اخلاقی طور پر عورت کو لوگ عار محسوس کیا کرتی تھی۔ان کی شادی تمام خاردان کے لیے باعث شرم ہوا کرتی تھی۔ لیکن جدید تہذیب یافتہ اور دین اسلام نے سب سے پہلے اس کو ایک ممتاز مقام سے نوازا۔ یہی وجہ ہے کہ جدید ادب اور افسانوی ادب جس طرح انسان اس کی تہذیب و تمدن اور معاشی و معاشرتی ثقافت و روایات اور زندگی کے گرد گھومتی ہے اسی طرح اس میں عورت کو بھی سب سے زیادہ اور خوبصورت مقام مل گئی۔ان کی تعلیم و تربیت اور آزادی کا تو گویا اس نے تاریخ میں ایک الگ باب کا اضافہ کر دیا۔اس کا گہوارہ اتنا وسیع ہوا کہ ہندوستان کی ترقی پذیر معاشرے کے خواتین مصنفین بھی ان کے لیے آواز اٹھانا شروع کیا۔ توحید بیگم لکھتی ہیں۔

> "مشرقی معاشرے کی مسائل بہت سے ناول نگار خواتین کے ہاں نظر آتے ہیں۔ان مسائل کو ان خواتین ناول نگاروں نے اپنے ناولوں میں خوب اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ ناول نگاروں نے گھریلو مسائل کو واضح کیا اور ان کو ناول کا موضوع بنایا۔"(۱)

جس کا تذکرہ ذیل میں کیا جائے گا۔

خواتین ناول نگاروں کی ناولوں میں عورت کے ازدواجی مسائل:

ہندوستان کی سرزمین مختلف تہذیبوں کا گہوارہ ہے۔آثار قدیمہ کی بشارتوں اور مذہبی لٹریچر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہندوستان میں بھی دوسری تہذیبوں کی طرح اعتدائی دور میں مادرانہ نظام رائج تھا۔ موہنجوداڑو کی تہذیب جو آریاوں کی آمد سے قبل ہے ۔اس میں عورت کی حیثیت بڑی اور افضل ہے اور اثار کی شہادتوں کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں یہاں مادرانہ نظام رائج تھا۔ خود آریہ معاشرہ کے ابتدائی زمانے میں اس کے شواہد ان کے مذہبی کتاب ریگ وید میں ملتے ہیں کہ کس طرح آہستہ آہستہ یہ نظام مادرانہ نظام سے پدرانہ نظام میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ دیویاں جن کی پوجا کی جاتی تھی

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

اب ان کی جگہ دیوتا لے رہے تھے۔ یہ تبدیلی دھیرے دھیرے وقوع پذیر ہو رہی تھی۔ مہابھارت کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابتدائی دور میں مادرانہ نظام کی قدریں اور روایات باقی تھیں مثلاً پانڈو کس بد دعا کی وجہ سے اپنی بیوی سے جنسی تعلق نہیں رکھ سکتا تھا۔ مگر اس سے اولاد کی بھی ضرورت ہے تو اپنی بیوی کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ وہ کسی دوسرے مرد سے تعلق قائم کرے اور اس کے لیے اولاد پیدا کریں، وہ بیوی کو تسلی دیتے ہوئے کہتا ہے کہ؛

"او کنتی! اب میں تم سے اس قدیم رسم کے متعلق کہنا چاہتا ہوں کہ جیسے علی قدر رشبوں نے اخلاق کے تمام ضوابط کے جائز قرار دیا گیا۔"(۲)

عورت گھر کی چار دیواری تک محدود اور شوہر کے حکم کی مکمل تعمیل کرنے والی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ جہاں من چاہے جا سکتی تھی اور پوری طرح لطف اندوز ہو سکتی تھی کیونکہ اس وقت کا رواج تھا اور اس رسم کو بڑے بڑے ریشو نے تسلیم کیا تھا اور یہ رسم آب تک شمال کے گوروں میں رائج ہے۔ موجودہ رسم ہے کہ عورت عمر بھر کے لیے خود کو ایک شوہر کے لیے وقف کریں یہ بعد میں قائم ہوئی۔ اسی لیے ہندوستان مادرانہ نظام اچانک یا یک دم ختم نہیں ہوا۔ بلکہ کچھ علاقوں میں یہ ختم ہوا اور کچھ میں باقی رہا۔ اسی لیے ان علاقوں میں جہاں پدرانہ نظام قائم ہو گیا۔ انہوں نے مادرانہ نظام کو حقارت سے دیکھا اور ان کے رسم و رواج کو اخلاق سے بری قرار دیتے ہوئے اسے فحش اور بے حیائی کا نام دیا اور عورت پر خصوصیت کے ساتھ بڑے بڑے طنز کیے۔ اگرچہ مہابھارت میں دروپدی کے واقعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک ہندوستان کا معاشرہ مکمل طور پر پدرانہ نہیں ہوا تھا کیونکہ اس میں عورت کے کئی شوہر رکھنے کو برا نہیں سمجھا گیا ہے اور اس کا دفاع کیا گیا ہے۔ دروپدی نیک و پاک باز عورت کے طور پر سامنے آتی ہے۔ مالا بار میں نئے قبیلے میں عرصے تک موجودہ دور میں مادرانہ نظام قائم رہا جس میں شوہر بیوی کے گھر جانا تھا اور بیوی اپنے گھر میں رہتی تھی۔ اس میں طلاق بہت اسان ہوتی تھی اور مرد ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسرے کے گھر جانے لگتا ہے۔ مگر ہندوستان میں مدرانہ نظام زیادہ عرصہ قائم نہیں رہا اور وقت کی تبدیلیوں کے ساتھ ختم ہوتا چلا گیا مگر اس کے اثرات بہر حال آب بھی قائم ہیں۔ ہندو معاشرے میں عورت کے سماجی مقام کے گرنے کے باوجود ماں کی عزت ہے۔ اسی طرح جب دیوی اور دیوتا کا نام ساتھ آتا ہے۔ آریاؤں کے ابتدائی زمانے میں جب ان کی پیش کاشتکاری اور شکار تھا۔ اس میں عورت گھر کی چار دیواری میں قید نہیں رہ سکتی تھی۔ اسی لیے وہ مرد کے ساتھ ساتھ کام میں مصروف نظر آتی ہے اور ایک بیوی کا تصور یہی تھا کہ وہ صحت مند ہو کام میں چاق وچوبند ہو اور زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرے جو خاندان کی ترقی میں حصہ لیں۔ اس وقت تک بیوہ کو رسم ستی کے بینٹ نہیں چڑھایا جاتا، بعد میں اور دوسری برائیاں عورت کے استحصال شروع ہو گئی جو ہندو تہذیب کی ایک خاصہ بن گئی۔ جیسے جس میں شوہر کے مرنے کے ساتھ اس کی بیوی بھی جلی جاتی تھی اور اس کو رسیم ستی کہا جاتا تھا۔ یا شوہر کے مرنے کے بعد عورت کو جانور سے بد تر سلوک کیا جاتا تھا ان کو کسی کال کوٹھڑی میں بند کر کے دوسرے انسانوں سے الگ کر دی جاتی تھی۔ اسی طرح بیوہ ہونا لوگ اس عورت کے ذمہ ٹھہراتے تھے کہ یہی نحوست اپ ہی کی وجہ سے ہمارے گھر میں آگئے اور گھر کا بندہ فوت ہو گیا۔ ابوالفضل نے "آئین اکبری" میں ستی کے بارے میں لکھا ہے کہ؛

"اس کے چار قسمیں ہیں۔ پہلی وہ جو کہ شوہر کی موت کے غم میں بے ہوش ہو جاتی ہے اور اس کے رشتہ دار اس کے اگ میں جلا دیتے ہیں۔ دوسری وہ عورت ہے جو شوہر سے بے انتہا محبت کرتی ہیں اور خوشی خوشی جلنے پر تیار ہو جاتی ہیں۔ تیسری وہ قسم

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

ہے جس میں رسم ورواج کے دباؤ میں جل جاتی ہیں اور کوئی مذاہب مت نہیں کرتی ہیں جوتی صورت میں خاوند کے خاندان والے زبردستی جلادیتے ہیں۔"(۳)

اسی طرح بعد میں یہ رسم آہستہ آہستہ مغل تاجداروں خصوصاً جلال الدین اکبر اور عالمگیر وجہانگیر نے اس رسم کا جنازہ نکال دیا۔اور عورتوں میں بہت حد تک شعور آگئے دوسری طرف 1857ء کی جنگی آزادی نے جہاں اپنے ساتھ بہت سارے فسادات لائے ہیں وہاں دوسری طرف بہت ساری تبدیلیاں بھی اپنی ساتھ لائیں. کیونکہ ہر تہذیب جو وہ پرسودہ ہو جاتی ہے اس کی موت اور کلعدم ہونا بھی ضروری ہو جاتی ہے۔تو ایک قسم کی معاشرتی ثقافتی اور معاشی تبدیلی بھی اس نے اپنے ساتھ لائی۔ جس سے ہندو جس سے ہندوستان کے طول وعرض میں سب لوگ متاثر ہوئے۔اسی دور میں عورت کے مختلف روپ نظر آئے۔ مسلمان گھرانوں میں تو وہی روایات اور آثار موجود تھے۔جو ایی حسن کی زینت بن گئی۔اور جسم کی کمائی سے جسم اور اس آتش شکم کو بجھانے کے لیے حسن نظر بن گئی۔ ساتھ ہی میں اردو کے افسانوی ادب مثلا خصوصاً ناول نے اس کو موضوع سخن بنالیا۔اردو ادب میں پہلی مرتبہ ڈپٹی نذیر احمد نے 1869 ءمیں اپنی بیٹیوں کی اصلاح کے لیے جب کوئی دوسری دلچسپ کتاب ہاتھ نہیں آئی تو انہوں نے خود بیٹھ کر ایک کتاب لکھنا شروع کیا جس میں مذہب، اصلاح، تربیت، زندگی اور ادب سب کچھ موجود ہو لکھ ڈالی۔ جس میں اکبر اور صغری کی کرداروں کے ذریعے ایک کہانی تخلیق کی جس کا نام انہوں نے "مراۃالعروس" رکھ دیا۔

"مراۃالعروس" کے دیباچے ڈپٹی نظیر احمد لکھتے ہیں۔

> "عورتوں میں حیا، پاکدامنی، پردہ داری، نیکی جو کچھ خدا کے فضل وکرم سے بہتر ہی ہے۔ مگر برا مانو بھلا مانو! ابھی تک ہے مجبوری کی یعنی مذہب اور ملکی رواج اور مردوں کی حکومت نے عورتوں کو زبردستی نیک بنا رکھا ہے لیکن اگر عورتوں کے دل سے نیکی کا تقاضا ہو تو سبحان اللہ نور علی نور۔ایک سونا کھرا، اوپر ملا سہا کیا کہنا مگر دل سے نیکی پیدا ہونے کی علم کے سوا اور کوئی تدبیر ہی نہیں۔بس جو لوگ عورتوں کو علم سے محروم رکھنا چاہتے ہیں گویا ان کی سچی اور حقیقی، پاکیزہ، بے لوچ، کھری اور پائیدار نیک دلی سے روکتے ہیں"(۴)

اس کے بعد خواتین ناول نگاری کی آغاز ہوتی ہے۔الغرض اردو ناول نگاری کے ایماندارانہ جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابتدا سے تاحال اردو ناول نگاری کے سفر میں خواتین ناول نگاروں کی شراکت درج ہوتی رہی ہے۔ابتدائی ناولوں میں تو خواتین ناول نگاروں نے بھی اصلاحی مقاصد کو ہی سامنے رکھا اور خواتین میں بیداری لانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن بعد میں اس سفر میں ازدواجی زندگی کی طرح مرد ناول نگار بھی شامل ہوئے اور بڑی خوبصورتی کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے خواتین کے مسائل کی عکاسی کی ہے۔بہر حال موضوع کے مطابق اردو کے خواتین ناول نگاروں کے ناولوں میں عورت کی ازدواجی زندگی کے مسائل بیان کرنا ہے۔اس لیے خواتین ناول نگاروں نے یہ بات اچھی طرح تسلیم اور محسوس کرلی تھی کہ اگر اپنی ذات کی شناخت چاہیے اور اپنے وجود کی اہمیت کا احساس دلانا ہے تو سب سے پہلے انہیں میدان میں خود آنا پڑے گا۔اس بارے میں ڈاکٹر شارقہ شفتین لکھتی ہیں؛

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

"بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں تعلیم یافتہ خواتین کا ایک ایسا گروہ ابھر کر سامنے آیا جس نے خواتین پر ہونے والی ظلم و ستم اور ناانصافیوں کے خلاف قلمی احتجاج کیا اور اپنے حقوق کے حصول کے لیے نعرے لگائے۔"(۵)

لیکن اس سے پہلے 19 ویں صدی کے خواتین ناول نگار بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ کیونکہ ان مسائل کے بارے میں سب سے پہلے انہی خواتین نے اپنے ناولوں میں ذکر کیا ہے۔ قرۃ العین حیدر لکھتی ہے کہ؛

"خاص طور سے افسانے بلکہ اس سے بھی زیادہ ناول نگاری میں خواتین ابتدا سے ہی نظر آنے لگتی ہے رشیدۃ النساء سے لے کر اے آر خاتون تک ان ناول نگاروں کا طویل سلسلہ ہے۔"(۶)

اس کڑی کی پہلی خاتون ناول نگار رشیدۃ النساء ہے۔ جس سے اردو خواتین ناول نگاری کی آغاز بھی ہوئی۔ ان کا ناول "اصلاح النساء" ۱۸۸۵ء میں منظر عام پر آئی۔ یہ ناول ایک اصلاحی اور مقصدیت سے بھرپور رنگ میں ڈوبا ہوا ناول تھا اس کا واحد مقصد مسلم معاشرے میں جہالت، بے جا رسومات، توہم پرستی اور فرسودہ روایات و عقائد کو ختم کرنا تھا جس سے ایک عورت کی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتی تھی ان سب کو احسن طریقے سے قلم بند کیا۔

رشیدۃ النساء کے بعد ان ابتدائی ناول نگاروں میں محمدی بیگم، عباسی بیگم، صغری ہمایون، طبیعہ بیگم، اکبری بیگم کے نام اہم ہے۔ یہ وہی خواتین ناول نگار ہیں جو معاشرے میں پیلی ہوئی ان برائیوں کو ختم کرنا چاہتی تھی۔ جو عورتوں کے زندگی سے جڑے ہوئے تھے۔ ان میں خاص مردوں کے ظلم کی داستان اور عورتوں کے صبر و ایثار کی تصویریں ملتی ہے۔ اس کے علاوہ ان ناولوں میں سماجی اور معاشرتی اصلاح بھی موجود ہے۔ اس ضمن میں شارقہ شفتین لکھتی ہے؛

"یہ زمانہ 1857ء سے لے کر 1945ء تک کا ہے اس عرصے میں اردو میں ناول نگاری کی ابتدا ہوئی اور دھیرے دھیرے اس کی جڑیں مضبوط ہونے لگی اردو کی یہ ابتدائی ناول نگار خواتین سیدھی اور سادہ زندگی کی ترجمان تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان ناولوں میں ارد گرد کے عام زندگی کے موضوعات نظر آتے ہیں۔ انہوں نے اپنے گرد و پیش میں جو کچھ بھی دیکھا اسے بلا جھجک اپنے ناولوں کے ساتھ ہاتھ پر بکھیر دیا۔"(۷)

بہر حال اس کے بعد ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوتا ہے۔ خواتین ادیبوں میں عصمت چغتائی سے باضابطہ طور پر ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوتا ہے۔ اس تحریک کے اثرات اس کے ناولوں پر صاف دیکھائے دیتے ہیں۔ عصمت چغتائی کا پہلا ناول "ضدی" کے نام سے شائع ہوا۔ اس کے بعد ٹیڑی لکیر، معصومہ، دل کی دنیا، بعد کے ناول ہیں۔ عصمت چغتائی کے خاص موضوع خواتین ہیں۔ اسی لیے انہوں نے خواتین سے متعلق تمام ترکج رویوں کو اپنے ناولوں میں سمویا ہے۔ ان کے ناول کے اہم موضوعات میں سر فہرست جنس کا موضوع ہے۔ جسے انہوں نے بڑی چابکدستی اور بے تکلفی سے پیش کیا ہے۔ لیکن انہوں نے جنسی حقیقت نگاری کو پیش کرنے میں لذئیت کا کوئی پہلو نمایاں ہونے نہیں دیا۔ بلکہ وہ متوسط گھرانوں کے لڑکوں اور لڑکیوں کے گھٹن کو پیش کرنے پر اکتفا کرتی ہے۔ جس کا مقصد پردے کے اندر پیدا ہونے والی جرائم منظر عام پر لانا تھا۔ جس کی وجہ سے ہزاروں خواتین کے ازدواجی زندگی میں اتنے مسائل ہوتے ہیں کہ وہ مرنے کے لیے مختلف راستے اختیار کرتی ہے۔ بہر حال عصمت چغتائی نے مسلم متوسط طبقے کی خواتین کے سماجی،

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

نفسیاتی، جنسی اور ساتھ ساتھ میں ان تمام تر پہلوؤں کو قلم بند کیا ہیں۔ جس سے ایک عورت کی ازدواجی زندگی میں مسائل اور تکالیف پیدا ہوتی ہے ان سب روایات، نظریات، خیالات کا ذکر احسن طریقے سے کیا ہے۔

ضدی ناول عصمت چغتائی کا پہلا ناول ہے۔ ان کا یہ ناول روایتی انداز میں لکھا ہے لیکن ان میں چند ایسے حقائق پیش کیے ہیں جس کی بنا پر اس ناول کی اہمیت کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اس ناول میں مصنفہ نے امیری، غریبی، ذات پات اور اونچ نیچ کی تفریق، معاشرے اور خاندان کی فرسودہ روایات پر گہرا طنز کیا ہے۔ اس کے بعد عصمت چغتائی کی ایک اہم ناول "ٹیڑھی لکیر" ہے۔ اس ناول کا ایک کردار شمن کی ہے۔ جس سے معاشرے میں عورت کے ساتھ جو ظلم و زیادتی، خاندانی روایات جس نے عورت کی زندگی اجیرن بنائی ہے وہ سب مسائل جو معاشرے میں ایک عورت کے ساتھ ہوتی ہے اس کردار سے ظاہر ہو جاتی ہے جیسا؛

> " شمن کی کہانی کسی ایک لڑکی کی کہانی نہیں ہے۔ یہ ہزاروں لڑکیوں کی کہانی ہے۔ اس دور کی لڑکیوں کی کہانی ہے جب وہ پابندیوں اور آزادی کے بیچ ایک خلا میں لٹک رہی ہے۔"(۸)

اس ناول میں گویا عصمت نے شمن کے کردار کے ذریعے سماج کے بہت سی برائیوں کو بے نقاب کیا ہے۔ بقول عظیم الشان صدیقی؛

> "ان کے ناولوں کے ذریعے عورت پہلی مرتبہ اپنے حقیقی خد و خال عطرت و نفسیات، جذبات اور تصورات کے ساتھ اس طرح منظر عام پر آتی ہے کہ صرف مرد ہی کو نہیں بلکہ عورت کو بھی تعجب ہوتا ہے کہ اس کا حقیقی روپ کیا ہے۔ جس کی تعلیم سے وہ اب تک محروم رہی تھی۔ ناول میں شمن کا کردار بچپن سے ماں بننے تک ارتقا کے مختلف مدارج طے کرتا ہے۔"(۹)

لیکن خواتین کے ساتھ ساتھ اس ضمن میں مرد بھی برابر کے شریک تھے کیوں کہ اس کڑی کی ایک اور ناول جو اردو ادب میں شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے "امراؤ جان ادا" اس کو مرزا ہادی رسوا نے نسوانی حسن کے حوالے سے لکھی جس میں انھوں نے انتہائی پھرتی کے ساتھ این ارپی کر کو شروع سے آخر تک مربوط رکھنے کی کوشش کی۔ عورت کی مظلومیت اور استحصالی اس ناول کی جان ہے۔ کہ جب بھی دو مردوں میں لڑائی ہو جاتی ہے تو کمزور مرد اس کے گھر کی عزت اور آبرو پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور اسے لٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک شریف لڑکی کس طرح بازاری حسن کی زینت بن جاتی ہے اس کی نفسیات خوب واضح کیا ہے۔ تاہم جب اس تحریک نے ذرا زیادہ زور پکڑی اور عورتوں میں شعور کچھ زیادہ ہو گئی تو انہوں نے خود اپنے مسائل کو اپنی تحریروں کی موضوع بنانا شروع کر دیا۔ کچھ مختلف تحریک ہو جیسے علی گڑھ نے بہت ساری عورتوں کو منظر عام پر لانے میں ایک سنگ میل کی حیثیت اور کردار ادا کیا۔ تحریک ترقی پسند نے خصوصاً عورتوں کے تانیثیت کو زیادہ فعال بنا دیا اور بہت ساری عورتیں منظر عام پر نمودار ہوئیں جس میں رشیدہ جہاں، خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور، قرۃ العین حیدر وغیرہ سب اول کے ناول نگاروں میں شمار ہونے لگی۔ انہیں خواتین میں عورتوں کے مسائل خصوصی طور پر تعلیم و تربیت کا مسئلہ ان کی حقوق کی پامالی، ازدواجی زندگی اور عملی میدان میں اس کو مواقع فراہم نہ کرنے کی مسائل شامل تھے۔ ان ناول نگاروں کے ناولوں میں مرکزیت نسائی کرداروں اور عورت سے منسلک حقوق اور مسائل کو حاصل ہے۔ کیونکہ صدیوں سے یہی کردار (عورت) وفاداری، پیار، ممتا، دکھ درد کا نمونہ، بیوی، رکھیل کا نمونہ بنا ہوا ہے۔ اس بنا پر انہی خواتین نے عورت کے مسائل، مجبوری، لاچاری اور اس کی استحصال کو موضوع بنائی ہیں۔ اس کے ساتھ طبقاتی تقسیم اور جنسی تقسیم جس میں عورت کو کم نظر اور حقیر جان کر ان سے ہر جائز و ناجائز کام کرا کر ان کو ٹشو پیپر کی طرح استعمال

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

کرنے کی چیدہ چیدہ مسائل شامل تھے۔اسی طرح تقسیم ہند کے بعد جہاں بہت ساری بیٹیاں، بہنیں، بیویاں اور مائیں بے گھر ہوئی۔ان کے لیے رہنے کے لیے چھت اور کھانے کے لیے خوراک میسر نہیں تھی اسی حالات میں وہ ہندوؤں، سکھوں اور کبھی کبھار اپنے مسلمان بھائیوں کے رحم و کرم پر ہوتی تھیں۔بٹوارے کے موضوعات پر بہت سارے قلم اٹھ گئے سعادت حسین منٹو، قدرت اللہ شہاب، ممتاز مفتی، عبداللہ حسین، شوکت صدیقی وغیرہ نے اس ہولی اور خونی مناظر پر خوب لکھ کر قارئین سے داد وصول کی اور اردو ادب میں بے تحاشہ اضافہ کر کے ان کو عالمی ادب کے ہم پلہ کر دیا۔

بہر حال جب ہم اردو ناول میں خواتین ناول نگاروں کی طویل سفر کا جائزہ لیتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ رشیدۃ النساء سے لے کر موجودہ دور کی خواتین ناول نگاروں تک اردو ناول میں خواتین ناول نگاروں کی ایک طویل جماعت نظر آتی ہے جو اس بات کے لیے کوشاں ہیں کہ سماج میں خواتین کو سارے حقوق حاصل ہو جن پر ان کا پیدائشی حق ہے۔اس سلسلے میں خواتین ناول نگاروں نے اپنی تخلیقات کے ذریعہ نہ صرف طرح طرح کے مسائل کو معاشرے کے سامنے پیش کیا ہے بلکہ ان مسائل کو حل کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ان کی یہ کوشش عام خواتین کے حق میں کافی کرآمد ثابت ہوئی، ان ناولوں کو پڑھ کر ان کے اندر بھی اپنی ذات کی شناخت پیدا ہوئی اور وہ بھی اپنے حقوق کے حصولیابی کے لیے بیدار ہوئے۔وقت نے کروٹیں لیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قدیم زمانے کے مقابلے میں آج خواتین کے حالات کافی بہتر ہے اور وہ مختلف شعبہ ہائے زندگی میں مردوں کے شانہ بہ شانہ نظر آتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مجلہ خیابان، http://khayaban .uop.edu.pk/shumaray/36-bahar-2017

۲۔ پی ٹامس,Kama Kalpa or the Hindu Ritual of love بمبئی ۱۹۶۰ء، ص:۲

۳۔ ابوالفضل، آئین اکبری، جلد سوم اردو ترجمہ، لاہور، ص:۲۹۴

۴۔ ڈپٹی نظیر احمد، مجموعہ ڈپٹی نذیر احمد، فرید بک ڈپو(پرائیوٹ) لمیٹڈ، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء، ص:۷۹۹

۵۔ شارقہ شفتین، ڈاکٹر، اردو ناول میں خواتین کے سماجی مسائل کی عکاسی، ارم پبلشنگ ہاؤس دریاپور، پٹنہ۔۲۰۱۵، ۴ء، ص:۶۵

۶۔ عتیق اللہ، ترتیب وانعقاد، بیسویں صدی میں خواتین اردو ادب، ۲۰۰۲ء دہلی، موڈرن پبلشنگ ہاوس، ص:۱۳۹

۷۔ شارقہ شفتین، ڈاکٹر، اردو ناول میں خواتین کے سماجی مسائل کی عکاسی، ارم پبلشنگ ہاؤس دریاپور، پٹنہ۔۲۰۱۵، ۴ء، ص:۶۸

۸۔ عصمت چغتائی، ٹیڑھی لیکر، کتاب کار رام پور یوپی، اشاعت مئی ۱۹۶۷ء، ص، ۱۰

۹۔ عظیم الشان صدیقی، اردو ناول کے فروغ میں خواتین کا حصہ، ص:۳۸۱

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615